Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق

ISSN PRINT 2958-0005
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com

ISSN Online 2790-9972
dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر قیصر آفتاب احمد

اسسٹنٹ پروفیسر اردو یونیورسٹی آف سیالکوٹ

طاہرہ غفور

پی ایچ-ڈی اسکالر اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

بابا فرید گنج شکر کی شاعری میں علاقائی و تہذیبی عناصر کا مطالعہ

Dr. Qaisar Aftab Ahmad
Assistant professor Urdu ,University of Sialkot
Tahira Ghafoor
Ph.D Scholar Urdu, International Islamic University Islamabad

A study Of Regional And Cultural Elements In The poetry Of Baba Farid Ganj Shukar

Sufism is a unique style of understanding the existence of supreme power. It practices for the betterment of society. Sufism in thesouth Asian Subcontinent benefited the people of these instructions a new interpretation of Sufism and religion was brought by Ghulam Fareed Ganj Shakar. His poetry contains asignificant share in the Guru Granth (Sacred Book of Sikhism). Hi, stresses self-realization or Allah's realization. This article attempts to understand the cultural values of the sub-continent through the legendary poetry of the fabulous Baba Fareed Ganj Shakar.

Keyword: Sufism, Interpretation, Cultural Vaelues, Self Realization, Fabalous.

کلیدی الفاظ: تصوفانہ، تعبیر، ثقافتی اقدار، نفسی آگہی، حکایتی انداز۔

برصغیر پاک وہند مختلف تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں ہزاروں سنتوں، صوفیوں اور درویشوں نے اپنے پیغامات کوچے کوچے میں لوگوں تک پہنچائے ہیں نیز ایک مشترکہ تہذیبی، ثقافتی، اخلاقی شعری اور روحانی سرمایہ انہوں نے ہندوستانیوں کو دیا جس فیضان آج بھی برابر حاصل ہو رہا ہے۔ آج بھی ہماری اخلاقی و روحانی تدوین صوفیائے کرام کی تعلیمات و پیغامات سے وابستہ ہیں۔ ان بندگانِ خدا نے علم و عرفان کے ایسے چراغ روشن کیے جن کی تابانی صدیوں پر محیط ہے۔ صوفیاء کی شاعری نیکی اور اعلیٰ انسانی اقدار کی علامت ہے جس کا ایک ایک مصرعہ محبت اور مروت کا نمونہ ہے۔ اپنے وطن اور بنی نوع انسان سے ان کی محبت مثالی ہے۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔ ان کی شاعری میں محبت اور رواداری کا درس ہے۔ یہ بزرگ ہستیاں اگرچہ آج ہمارے درمیان موجود نہیں مگر اپنی آفاقی شاعری کے ذریعے زندہ ہیں۔ اپنی شاعری کی روشنی میں وہ آج کے سماجی حالات سے صدیوں آگے نظر آتے ہیں۔ ان میں مستقبل شناسی کی صلاحیت موجود تھی۔ زندگی کو کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کا ذکر صوفیاء کرام نے اپنے کلام میں

Corresponding Author،s Email: qaisaraftab1972@gmail.com

نہ کیا ہو۔

بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کا شمار ان صوفیاء میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر کے لوگوں پر اپنے عمل اور شعر سے گہرے اثرات مرتسم کیے۔ آپ کے کلام کی پختگی اور ہمہ گیریت کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ آپ کا کلام سکھوں کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کا حصہ ہے۔ حافظ محمود شیرانی اور مولوی عبدالحق نے بابا فریدؒ کو اردو کا جب کہ مسعود حسن شہاب نے آپ کو پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ آپ کی تبلیغ سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی۔ برصغیر والوں نے بابا فرید کی شاعری کے گہرے اثرات قبول کیے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا تعلق شاہی خاندان سے تھا جو اپنے زمانے میں بڑا معزز اور صاحب حشمت تصور کیا جاتا تھا۔ آپ کے اجداد میں سے شیخ شہاب الدین احمد المعروف فرخ شاہ کا نام بہت قابل ذکر ہے جو اپنے عہد میں کابل کے فرمانروا تھے۔ ان کے عہد حکومت میں سلطنت کابل کو بہت عروج حاصل ہوا مگر بعد ازاں شاہان آل سبکتگین کے ہاتھوں ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ حضرت بابا فرید کے دادا کا خاندانی تعلق فرخ شاہ کی اولاد ہی سے تھا۔ ان اسم گرامی شیخ قاضی شعیب تھا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ سلسلہ چشتیہ کے ان اکابر اولیاء میں سے ہیں جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ آپ کی ولادت باسعادت قصبہ کھتوال سے میں ۵۷۵ھ مطابق ۱۱۷۹ء میں ہوئی۔ قصبہ کھتوال کا موجودہ نام دیوان چاولی مشائخ ہے۔ جو بورے والا سے دس کلو میٹر کے فاصلے پر ضلع وہاڑی میں واقع ہے۔

آپ قاضی جمال الدین سلیمانؒ کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام نامی شیخ عزالدین محمود اور چھوٹے کا اسم گرامی شیخ نجیب الدین محمد متوکل تھا۔

بابا صاحبؒ کا سب سے مشہور لقب حضرت گنج شکر (یعنی شکر یا مٹھاس کا خزانہ) ہے آپ اس لقب سے کیسے مشہور ہوئے اس کے متعلق مختلف تذکروں میں مختلف روایات مشہور ہیں۔

آپ کے والد کا انتقال آپ کے بچپن میں ہی ہو گیا اور آپ کی ابتدائی تربیت آپ کی والدہ ہی کی نگرانی میں ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ بچپن ہی سے آپ پابندی نماز کے عادی ہو جائیں۔ اس لیے آپ کی والدہ جائے نماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھی اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جائے نماز کے نیچے سے روزانہ شکر مل جاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ کی والدہ شکر رکھنا بھول گئیں اور انہوں نے گھبرا کر حضرت سے کہا مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں۔ حضرت نے جواب دیا ہاں اماں نماز پڑلی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔ یہ جواب سن کر حضرت کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچے کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور اس وقت سے انہوں نے اپنے بچے مسعود کو "شکر بار" اور "شکر گنج" کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کی ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے آبائی قصبہ کھتوال (دیوان چاولی مشائخ) ہی میں ہوئی۔ آپ کے والد گرامی حضرت قاضی جمال الدین سلیمان کا چونکہ آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داری آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی قرسم خاتون پر عائد ہو گئی۔ لہٰذا آپ کی والدہ ماجدہ کو اپنے فرزند ارجمند حضرت فرید الدین مسعود کی پرورش اور تربیت پر خصوصی توجہ دینا پڑی۔ چنانچہ جب آپ کی عمر پڑھنے والوں بچوں کی طرح ہو گئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو اپنے قصبہ کھتوال ہی میں آپ کو قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم دلوانا شروع کر دی۔ آپ کی تعلیم کے بارے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ نے بڑی چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے آپ کو غیر معمولی ذہانت عطا فرمادی تھی اس لیے آپ جو سبق پڑھتے فوراً آپ کو یاد ہو جاتا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بھی اللہ کے انہی بندوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے عالم شباب کا بیشتر حصہ طویل سیر و سیاحت میں گزارا۔ دوران سفر آپ کو بے پناہ مشقت اٹھانا پڑی اور مختلف تکالیف کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ جنہیں آپ نے رضائے الٰہی کی خاطر بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس

طویل سیر وسیاحت میں آپ کی بہت سے اولیاء اور بزرگان دین سے ملاقاتیں ہوئیں۔ جس سے آپ کو بہت سے علمی اور دینی اسرار رموز حاصل ہوئے جو آنے والے وقت میں ظاہری اور باطنی منازل کے لیے عقدہ کشا ثابت ہوئے۔ تصوف شریعت طریقت، حقیقت اور معرفت کے موضوعات پر مفید تجربات حاصل ہوئے۔ غرض کہ آپ کے لیے یہ سیر وسیاحت بڑی مفید ثابت ہوئی۔

دوران سفر برصغیر اور دیگر ممالک کے جن شہروں اور علاقوں میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ تشریف لے گئے۔ ان میں سیوستان، غزنی، قندھار، بلخ، بخارا، بدخشاں، چشت، دمشق، بغداد، بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کئی دوسرے مقامات بھی شامل ہیں۔ غرض کہ آپ نے ہندو پاک کے علاوہ روس، ترکستان، افغانستان، ایران، عراق، شام، اردن اور سعودی عرب کے طویل و عریض ممالک کا سفر کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان ممالک میں کئی مقامات پر مشائخ کرام اور صوفیائے عظام نے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ جن سے آپ نے فرداً فرداً ملاقاتیں کیں اور بعض بزرگوں کی صحبت میں چند دن قیام کر کے اکتساب فیض کیا۔

آپ کی عظمت مجاہدہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ برصغیر پاک وہند کے جملہ مشائخ اور صوفیاء کرام میں سے مجاہدات کی کثرت میں سبقت لے گئے۔ حقیقت میں ان کی زندگی شرعی عبادت نفلی ریاضت زہد وتقویٰ ترک وتجرد عشق ومحبت ذوق وشوق اور طویل چلہ کشیوں میں بے نظیر اور یگانہ ویکتا ہے۔ آپ بڑے بلند ہمت نکلے عشق حقیقی میں خود کو زندگی بھر محو رکھنے کی بناء پر دنیاوی نعمتوں سے لاتعلق رہے اور ہر دم یاد الٰہی میں راغب رہے۔ جوانی کا حسین زمانہ جنگلوں اور ویرانوں چلہ کشیاں کرتے ہوئے گزار دیا۔ اس بادشاہ فقر کی زندگی کے بیشتر شب وروز فاقہ مستی اور جامہ فقر میں گزر گئے اگر آپ چاہتے تو دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھل جاتے مگر آپ نے خود کو رضائے الٰہی میں مٹا ہی دیا۔ فنا ہو کر بقا بن گئے۔

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کافی عرصہ مختلف شہروں اور ملکوں کی سیاحت کرتے رہے اس سفر میں آپ کو بہت سے ظاہری اور باطنی رموز حاصل ہوئے آخر طویل سفر کے بعد واپس ملتان آئے اس سفر میں آپ کو بے پناہ مصائب اور تکالیف سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ ان دنوں ملتان میں حضرت بہاؤالدین زکریاؒ سہروردی کی روحانیت کا عام چرچا تھا۔ آپ ان کی خدمت اقدس میں ملاقات کے لیے حاضر ہوئے اور آپس میں راز ونیاز کی باتیں ہوئیں۔

ہانسی کو چھوڑنے کے بعد حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اپنے آبائی قصبے کھوتوال میں جا کر قیام پذیر ہو گئے اور والدہ محترمہ کی خدمت عالیہ میں رہ کر زندگی کے شب وروز بسر کرنے لگے۔ مگر جلد ہی آپ کی روحانیت اور بزرگی کی شہرت گرد ونواح میں پھیل گئی۔ جس سے بے پناہ خلق آپ کے پاس آنے جانے لگی دن رات لوگوں کا ہجوم رہنے لگا آپ کی طبیعت چونکہ تنہائی پسند تھی۔ اس لیے آپ کو زیادہ لوگوں کا آنا اچھا لگتا تھا۔ لہٰذا ایک روز آپ کھوتوال سے نکل کر ایک غیر معروف مقام پر آ گئے اور ہمیشہ کے لیے اسے اپنا جائے مسکن بنا لیا۔ اس جگہ کا نام اجودھن تھا بعد ازاں آپ کی وجہ سے اس کا نام بدل کر پاکپتن ہو گیا۔ جس زمانے میں حضرت بابا فریدؒ نے اجودھن میں قیام کیا تھا ان دنوں اجودھن کے گرد ونواح بہت ویرانہ تھا کئی مقامات پر جنگل تھے۔ ان جنگلوں میں درندے اور دیگر انسان دشمن جانور رہتے تھے اس لیے اس پر خطر مقام پر رہنا بہت مشکل تھا مگر آپ نے اللہ کے بھروسے پر اس اجودھن میں رہنا ہی پسند فرمالیا۔(1

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خصائل واوصاف طالبان حق وصداقت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ آپ کی سیرت طیبہ میں بے پناہ اوصاف تھے جن سے پڑھنے والے کو راہ حق کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

آپ میں حلم وبردباری، عفوودرگزر، جود وسخا، عجز وانکساری، فقرہ استغنیٰ، اخوت ومروت، صدق وصفا، دیانت وامانت، توکل وقناعت، صبر وشکر، استقامت ومستقل مزاجی، احسان وایثار، خدمت وقربانی جیسی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ان کی اخلاقی خوبیوں سے بے شمار ہندو اور غیر مسلم متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو سماع کا بہت شوق تھا۔ چونکہ آپ کا تعلق سلسلہ عالیہ چشتیہ سے ہے اور سلسلہ چشتیہ کے اشغال میں سماع کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے آپ کو سماع کا خصوصی شغف تھا آپ کے پیر و مرشد حضرت بختیار کاکی کو بھی سماع سے گہرا شغف تھا۔ اس لیے حضرت بابا فرید اپنے بزرگان دین کی اتباع میں سماع کی محافل میں حاضر ہونے کو عین سعادت تصور کرتے تھے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ولایت خواجگان چشت کے اکابر اولیاء میں شمار ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ سے بے شمار کرامات کا اظہار ہوا۔ اگرچہ آپ کشف و کرامت کے اظہار کو پسند نہ کرتے تھے مگر آپ کے نزدیک کشف و کرامات کا ظاہر ہو جانا اس وقت بالکل جائز ہے۔ جب کہ صوفی راہ ولایت کے تمام مدارج طے کر چکا ہو۔ بہر کیف اللہ اپنے اولیاء کی بزرگی کو جب عوام الناس میں ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اللہ کی قدرت سے اولیاء اللہ سے کرامات کا اظہار ہونے لگتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا سن وصال ۵ محرم ۶۶۴ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۲۶۵ء ہے۔(2

معاشرے کے طرز زندگی اور فکر کا نام تہذیب ہے۔ کسی قوم کی طرز زندگی رہن سہن کے طریقے اور بنیادی افکار و نظریات ہی اس کے اعمال و افعال کو جنم دیتے ہیں اور اسے دوسری قوموں سے ممتاز بناتے ہیں۔ زبان، عادات و اطوار، خیالات و جذبات، رسم و رواج، نظام معاشرت، فنون لطیفہ، علم و ادب، عقائد، اخلاق، تجارت و زراعت اور عشق و محبت تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔ پنجاب کے لوگ صدیوں سے تصوف کے بنیادی اور مقبول عام پہلوؤں سے آشنا ہوتے رہے ہیں۔ پنجاب میں انسان دوستی کی ریت عام ہے۔ گیتوں کا سنگت میں گایا جانا بھی پنجاب کے دیہاتوں اور شہروں میں یکساں طور پر رائج ہے۔ عوام اپنے مذہبی عقائد اور روحانی تصورات کی آئینہ دار ہے۔ خواجہ فرید گنج شکر کی شاعری میں پنجابی تہذیبی عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان کی روحانی تعلیمات اور حق و صداقت کے پرچار میں اس کی عکاسی ہوتی ہے۔ تہذیبی عناصر ان کی شاعری میں روحانی عشق کے پرجوش اظہار کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ انہوں نے بعض روحانی تجربات اور اپنے عقائد کے اظہار کے لیے دیسی اصطلاحیں استعمال کی ہیں مثلاً خدا کے لیے محبوب کی حیثیت سے "سجن، پیا، پریتم" کی خالص مقامی اصطلاحیں اختیار کیں۔ اسی طرح "ہجر" کے لیے "برہ" کا لفظ استعمال کیا۔ کم تر درجے کے صوفیوں کے لیے "سائیں" کی اصطلاح استعمال کی۔ پنجابی شاعری کی روایت میں عاشق یا پرستار کو ایک پر شوق اور مشتاق عورت کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ قدرتی طور پر اس طرز فکر کا یہ منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی عشقیہ شاعری میں محبوب کو ایک ایسے بے نیاز عشق باز کی شکل میں پیش کیا گیا جو "اغیار" سے محو راز و نیاز رہتا ہے۔ دوسری طرف عاشق کو راز دار کی بھی ضرورت ہوئی جسے "سکھی" یا "سہیلی" سے تعبیر کی گیا۔ بابا فرید نے پنجابی شاعری کے ان تمام اسالیب کو اپنایا اور انہیں روحانی عشق کے تجربات میں پیش کیا ہے۔

انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اسی دھرتی سے اور اسی دھرتی کے بسنے والوں کی زندگی سے اخذ کیے گئے تھے جن کے درمیان وہ زندگی گزار رہے تھے اس طرح ایک ایسا عوامی ادب پیدا ہوا جسے دوہری اہمیت حاصل ہے۔ ان کے کلام کے پس منظر میں مقامی دیہی تہذیب کی تصویر نظر آتی ہے ایک جگہ کہتے ہیں:

فرید اشکر، کھنڈ، نبات، گڑ، ماکھیو، ماجھا، دودھ
سبھے وستو مٹھیاں رب نہ پہنچن تدھ
(شکر، کھانڈ، مشری اور بھینس کا دودھ یہ سب چیزیں بڑی میٹھی اور لذیذ ہیں لیکن یہ سب خدا تک
نہیں سکتی)

ان کی شاعری کے اس پہلو نے عوام الناس کو نہ صرف روحانی تجربات سے آشنا کیا بلکہ ان کو دلوں سے بھی قریب تر کر دیا۔ عوامی سطح کی تلمیحات اور استعارے جو بابا غلام فریدؒ نے استعمال کیے ہیں۔ ان کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ایسا ماحول جنم لیتا ہے جس میں انسان عقائد کی تفریق کو بھول کر خدا کی محبت، انسانیت اور وجد کی روح پرور دنیا میں گم ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں:

ترجمہ:

"خدا سے بے پرواہ رہنے والے زمین پر بوجھ ہوتے ہیں سچے درویش وہی ہیں جنہیں خدا اپنے وصال
کی دولت عطا کرتا ہے۔"

ان کے پیرایہ بیان میں غیر معمولی توانائی اور اثر پذیری کی قوت ہے۔ بے سود مشاغل میں انسانی زندگی کے الم ناک اسراف کو دیکھ کر ہمدردی، انسیت اور محبت کے ملے جلے شفقت آمیز جذبات ان کے اندر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے کلام میں اسی کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کے یہاں انسان دوستی کا بھی شدید جذبہ ملتا ہے انسان کی حالت کو دیکھ کر ان کے اندر بالکل اسی طرح ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جیسے کوئی بلند چٹان پر کھڑا ہے اور عنقریب ایک جان لیوا چھلانگ لگا کر عدم کی راہ اختیار کرنے والا ہو۔ فرماتے ہیں:

فرید اڈھو دیوی بلندیاں ملک بیٹھا آئے
گڑ لیتا گھٹ لٹیا دیوڑے گیا بجھائے

بابا فریدؒ کا پیغام عضو، عجز اور خوش سلوکی ہے ان کا کہنا ہے کہ انسان کا دل ایک ایسا قیمتی ہیرا ہے جسے لاپروائی سے نہیں بلکہ پیار و محبت سے ہاتھ لگانا چاہیے۔ وہ دیکھ کر انہیں دکھ ہوتا ہے کہ روحانی جہالت میں بسر کی ہوئی زندگی کا بوجھ لادے ہوئے بڑھاپا سر پر کھڑا ہے۔

ان کی زبان اگرچہ جنوبی پنجاب کے دیہاتوں کی مستند زبان ہے۔ یہیں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ گزرا تھا۔ تاہم یہ ان کی شاعرانہ قوت تخیل کا اعجاز ہے کہ یہی زبان ان کے یہاں لطیف کشش، نزاکت خیال اور تخیل کی پرواز سے لبریز نظر آتی ہے۔ مثلاً موت کے بعد خدا سے وصال کے لیے وہ اس دلہن کا اشارہ استعمال کرتے ہیں جو شادی کے بعد والدین کے گھر سے رخصت ہو کر سسرال جاتی ہے جسے "ساہا" کہتے ہیں:

ترجمہ:

"دلہن کی رخصتی کا مقررہ دن ٹل نہیں سکتا
روح دلہن اور موت دولہا ہے جو روح کو رخصت کرا کے اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

کاتک کے مہینے میں اڑنے والے کونج کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ترجمہ:

"کاتک میں اڑنے والے کونج، چیت میں جنگلوں کی آگ، ساون کی بجلیاں نہ تو ان میں سے کسی کو
ثبات ہے اور نہ سرما کی طویل راتوں کی مسرت بخش ہم آغوشی کو۔"

کسم کے پھول سے سرخی مائل رنگ بنایا جاتا ہے جو دھونے کے بعد صاف ہو جاتا ہے۔ اس پھول کو نزاکت کے لیے استعارے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کسم کے ہلکے رنگ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ:

"عیش کسم کے پھول کی طرح گریزپا ہے
اسے ہاتھ نہ لگانا، اسے چھوتے ہی پیارے تو جل جائے گا۔"

کنوئیں کے گرد جمع ہونے والی عورتوں اور گھڑے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ترجمہ:

"زندگی کنوئیں کے کنارے اگنے والے درخت کی طرح سے وہ کتنے دن چل سکتی ہے؟
کچے گھڑے میں پانی کتنی دیر رک سکتا ہے۔"

کوئل کی غم آگیں پکاروں کے بارے میں کہتے ہیں:

ترجمہ:

"کالی کوئل! تو اتنی سیاہ فارم کیوں ہو گئی؟

پریتم کے برہ کی آگ نے تیرے پروں کو جھلسا دیا ہے جو اپنے پریتم سے جدا ہوا سے سکھ کہاں۔

مالک حقیقی کی عنایت سے ہی وصال نصیب ہو سکتا ہے۔"

ہاتھ کے دونے سے چھن چھن کر گرنے والے تل کے دانوں کی تصویر بہت خوب صورتی سے کھینچتے ہوئے کہتے ہیں:

ترجمہ:

"فرید! دیکھو بنولے اور تل کو کس طرح کولھو میں پیڑا جاتا ہے۔

یہی گنے کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔

کاغذ کو کس طرح نذر آتش کیا جاتا ہے۔

اسی طرح کی سزائیں گنہ گاروں کو دی جائیں گی۔"

بابا فریدؒ کی شاعری میں مدھم سروں کی موسیقی ہے جس میں لہجے کا زیر و بم دلوں میں ندامت، عفو اور رحم کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ آپ حقیقی معنوں میں پنجاب کے سپوت تھے۔ ان کے کلام میں پنجابی تہذیب کے عناصر مختلف استعاروں کی صورت میں ملتے ہیں مثلاً گاؤں کا کنواں، گاگر، پانی بھرنے والیوں کی قطاریں، تالاب کے کنارے بگلے کی اچک پھاند، گاؤں کی لجائی ہوئی عورتیں، پایاب ندی اور کسم کا ہلکا رنگ یہ وہ استعارے ہیں جو اس سارے علاقے کی شاعری پر چھائے ہوئے ہیں۔

بابا فریدؒ کی مناجات اور اسلوک چونکہ مختلف لمحات میں الہام ہوئے ہیں اس لیے ان میں نہ تو کوئی تسلسل ہے اور نہ موضوعات کے اعتبار سے ان کی شیرازہ بندی کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان میں انسانی ذہن کو پانی ساتھ بھالے جانے کی زبردست قدرت ہے۔ ان کے کلام کو جب موسیقی کے ان موزوں سازوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے جو پنجاب کے دیہاتوں میں رائج ہیں تو اس میں بے پناہ دل کشی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسان کا دل پاک آنسوؤں سے دھلے جاتا ہے اور وہ تقدیس پیدا کرنے والے تجربات سے دوچار ہوتا ہے۔ اس کا سب سے زیادہ تجربہ عام طور پر سکھوں کے ان مذہبی اجتماعت میں ہوتا ہے جہاں مقدس صحیفے گرنتھ صاحب کے اکھنڈیات کے دوراں بانی سنائی جاتی ہے ان میں بھی بابا فریدؒ کے اسلوک ضرور شامل کیے جاتے ہیں۔ گرنتھ صاحب میں بابا فریدؒ کا کلام کم ہونے کی یہی وجہ بتائی جاتی ہے کہ گرو صاحب کو ان صرف اتنا ہی کلام پاکپتن سے مل سکا ہو گا۔ بابا فریدؒ کی اس بانی کا حقیقی موضوع دنیا کی دل کشی سے بے تعلقی ہے۔ جسے پنجاب کی اصطلاح میں ویراگ (بیراگ) کہا جاتا ہے۔ یہ روحانی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ یہاں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ موت یکایک اس طرح نمودار ہو گی جیسے جھیل کے کنارے پھدکتی ہوئی چڑیا پر باز جھپٹتا ہے۔ اس کے یہاں خدا کے محبوب بندے ویرانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور سنگریزوں میں سے اپنی غذا چنتے ہیں تاہم خدا سے منہ نہیں موڑتے، فرماتے ہیں:

ترجمہ:

"فرید! میری زندگی ان پرندوں جیسی سخت ہے جو سنسان جگہوں پر زندگی گزارتے ہیں۔

سنگ ریزوں سے اپنی خوراک چنتے ہیں، ریگستانی ٹیلوں پر رہتے ہیں، تاہم خدا کی طرف سے منہ نہیں موڑتے۔"

یا پھر ان کی مثال اس ہنس کی سی ہے جو اس دنیا کی چھوٹی موٹی چیزوں کو چھونا بھی گوارہ نہیں کرتے:

ہنس اڈر کو دھرتے پیالو ک وڈارن جائے

کہلالوک نہ جاندا ہنس نہ کو دھر اکھائے

اس نوع کی ایک تشبیہ کوئل کی بھی ہے جس کا سیاہی مائل رنگ اپنے محبوب (خدا) سے جدائی کے غم کا پرتو سمجھا جارہا ہے۔ ان کی شاعری میں ہمیں انسانی زندگی کے قیمتی ماہ وسال کی بربادی پر خوف، ترس اور افسوس کا ملا جلا قومی تاثر ملتا ہے:

ترجمہ:

"فرید! زندگی دریا کے کنارے پھدکھے والے بگلے کی طرح ہے جس پر یکایک باز جھپٹ پڑے۔
باز خدا کے حکم سے جھپٹتا ہے اور بگلا پھدکنا بھول جاتا ہے۔"

انہوں نے اپنے کلام میں فرمایا کہ خدا ویران اور سنسان جگہوں پر نہیں ملتا وہ تو متلاشی دل میں رہتا ہے۔ انسان کو ایسا مسلک اختیار کرنا چاہیے جو تالاب کی طرح تنگ و محدود نہ ہو بلکہ جھیل کی طرح وسیع و کشادہ ہو۔ حقیقی درویش وہ نہیں ہے جو سیاہ لبادہ پہن کر درویش نظر آنے کی کوشش کرے بلکہ سچا درویش وہ ہے جس کی زندگی صاف وشفاف ہو:

فرید اکالے مینڈے کپڑے کالا مینڈا بھیس
گنہیں بھریا میں پھراں لوگ کہن درویش

بابا فریدؒ کے بعض اسلوکوں میں اعلیٰ اور گہری تہذیبی اقدار کا بیان ملتا ہے۔ مثلاً:

فرید الوڈے داکھ بجوریا ککر بیجے جٹ
ہنڈے ان کتاید اپیدھا لوڑے پٹ

یعنی کیکر میں انگور نہیں لگ سکتے اور کھردرے اون سے نرم ولطیف ریشم نہیں نکالا جاسکتا۔ ایک اور جگہ عدم ایذارسانی اور عفو پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترجمہ:

"عظیم دریا! اپنے کنارے کو نہ کاٹ، مالک کے سامنے تو بھی جواب دہ ہو گا۔"

روحانی اہمیت کے حامل ہونے کے باوصف ان کا انداز بیان خالص شاعرانہ ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا ہے اسے سادہ نثر میں پیش کرنا ممکن نہیں ہے کہتے ہیں:

ترجمہ:

"عیش وعشرت کیسو کے پھول کی طرح گریزپا ہے، جسے چھوتے ہی تو جل جائے گا۔
اس کو ہاتھ نہ لگا پیارے کہیں یہ پشر مردہ نہ ہو جائے۔"

اخلاقی زندگی کی راہ کی دشواریوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ترجمہ:

"فریدا! خدا کی عبادت کرو، شکوک کو دل سے نکال دو خدا پرستوں کو درخت کی طرح صابر ہونا
چاہیے۔ سیلاب سے تباہ شدہ فصل آب پاشی سے بھی دوبارہ کھڑی نہیں ہو سکتی۔"

حرص وہوا کے جال میں مرغ روح کے پھنس جانے کے خدشات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"انسان بھی اسی طرح خواہشات کا شکار رہتا ہے، بس خدا کو فضل ہی اسے بچا سکتا ہے۔"

بابافریدؒ کی شاعری پنجاب کی روحانی شاعری کی عین مطابق ہے جس میں روح کو فراق کی ماری ہوئی عورت (برہن) کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ پنجاب کی زندگی کے حالات ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

ے فریدا! روٹی میری کاٹھ کی لاون میری بھکھ

جنہاں کھادھی چوپڑی گھنے سہنگے دکھ

نمک کو بھی سامان تعیش میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ترجمہ:

"فریدا! کچھ لوگوں کے پاس نعمتوں کی بہتات ہے اور کچھ لوگوں کو نمک بھی نصیب نہیں۔

یہ تو دوسری دنیا میں ہی معلوم ہوگا کہ معصیت زندگی کے لیے ایسے گرز کھانے پڑتے ہیں۔"

ایک جگہ شدید ناتوانی کا ذکر کرتے ہوئے ٹونٹ مارنے والے کوے کو کہتے ہیں کہ کم از کم میری آنکھوں کو تو چھوڑ دو تاکہ میں اپنے محبوب کے دیدار سے محروم نہ رہوں۔

ے کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھایا ماس

ایہہ دنینا مت چھوہیو پر دیکھن کی آس

بابافریدؒ کی شاعری میں واقعات نگاری، جزئیات، شخصی مرقعے، مذہبیات، اخلاقیات اور عشقیہ پہلو غرض سب کچھ موجود ہے۔ لہوولعب، عیش و عشرت، سیر و تفریح، رنج و غم، حزن وملال اور دل ودماغ کی بولتی تصویریں ہیں یا میری، غریبی، مفلسی، لاچاری اور مجبوری کی داستان مقامی موسمیات کا تذکرہ ہو یا کچھ اور سبھی اپنے تلازمات کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ نے اپنی شاعری کا مواد عربوں یا ایرانیوں سے مستعار لینے کی بجائے مقامی تہذیب وثقافت سے لیا اور اپنے آس پاس کی عوامی زندگی، عوامی طرز بودوباش، ملکی ومقامی ماحول اور اس کی روایات کو شاعری کے قالب میں ڈھال کر ایک ایسے لب ولہجے کی بنیاد ڈالی جس کی نظیر مشکل سے ملتی ہے۔ عوامی زندگی کے مسائل، ان کے داخلی اور خارجی جذبات واحساسات، ان کے دکھ درد اور ان کی لاچاری میں برابر شریک ہو کر شاعری میں اس کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں پیش کیا۔ اس لیے ان کی شاعری میں تمام تہذیبی قدریں، سماجی ومذہبی معاملات، احساسات وتاثرات موجود ہیں جو زاہد ورند، ہندو ومسلمان سب کو فیض یاب ہونے کے یکسر مواقع فراہم کرتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ اس عہد کی تہذیبی وسماجی صورت حال کا نقشہ بھی کھینچ جاتا ہے۔ ان کی زبان سے نکلے ہر لفظ میں گہرا مشاہدہ ہے۔

بابافریدؒ نے مقامی تصورات اور روایات کو ایک نئے اسلوب میں ڈھالا اور اپنی شاعری کا مواد اپنے معاشرے سے لیا۔ وہ جس واقعے یا جس چیز کا ذکر کرتے ہیں اس کے ہو بہو تصویر کھینچ دیتے ہیں مثلاً کہتے ہیں:

ے کلر کیری چھپڑی آئے الہے سنج

چنج بوڑن نہ پیو، اڈن مندی ڈن (3)

ان کی شاعری مقامی رنگ و آہنگ سے بھرپور مصورانہ شاعری ہے جو ایک تاریخی وتہذیبی دستاویز فراہم کرتی ہے۔ اس کی شاعری کی جب تک مکمل قرأت نہ کی جائے تب تک اس کے فنی، فکری اور لسانی پہلوؤں کو مکمل طور پر سمجھا نہیں جاسکتا۔ انہوں نے سماج کے لوگوں کی زندگی کے مسائل کو تلاش کرکے پیش کیا ہے جس میں مقامی تہذیبی عناصر کی جھلکیاں حد درجہ نمایاں ہیں۔ (4)

ان کی نگاہ کی وسعت انہیں ہر طبقہ کی حالت سے بخوبی واقف رکھتی تھی۔ ہر طرح کے لوگوں کی معاشرت کا ان کو یکساں علم وتجربہ تھا۔ امراکے طریق زندگی، متوسط طبقے کی طرز معاشرت، غرباء کی عادات واطوار، ہنود کے تیوہار، خواتین کے رسم ورواج، خانگی زندگی کی حیثیت، فقرا کے خصائل آزاد لوگوں کی بدوضعی غرض یہ کہ معاشرے کے جتنے کوائف ہیں سب کا کچھ نہ کچھ ذکر ان کی شاعری میں ملتا ہے۔

بابا فریدؒ کی شاعری یک رخی ہونے کے بجائے کثیر الجہات ہے۔ اور اس کی کثیر الجہتی یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے تہواروں کا ذکر ہے تو دوسری طرف غیر مسلموں کے تہواروں پر بھی اظہار ہے۔ یہ روزمرہ کی زندگی میں ہونے والے واقعات اور تبدیلیوں کا سچا مرقع نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جن حقائق کا ذکر کیا ہے وہ ماورائی نہیں بلکہ ان کا تعلق مقامی لوگوں کے شب و روز سے ہے۔ وہ سب ہمارے سامنے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں یہی ان کی شاعری کی انفرادیت بھی ہے اور ان کی شناخت بھی۔

اس جائزے سے یہ عیاں ہے کہ بابا فریدؒ کی شاعری میں حقیقتاً مقامی تہذیبی عناصر تمام آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں اور انہوں نے ان عناصر کو اپنی شاعری میں اس طرح سے سمو دیا ہے کہ قاری کے سامنے مقامی تہذیب و معاشرت کے متعلقات از خود روشن ہو جاتے ہیں۔ تہذیبی سطح پر دیکھا جائے تو اصل جنوبی پنجاب بابا فریدؒ کی شاعری میں بستا نظر آتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے یہاں کی تہذیب کا ایک ایسا آئینہ پیش کر دیا ہے جو رہتی دنیا تک ان کی شاعری پڑھنے والوں کو اپنے دور کی حقیقت سے روشناس کرواتا رہے گا۔

حوالہ جات

۱۔ طالب، گربچن سنگھ، بابا شیخ فرید، نئی دہلی، نیشنل بک ٹرسٹ، ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۳

۲۔ عالم فقری، شان بابا فرید گنج شکر، لاہور، ادارہ پیغام القرآن، ۱۹۷۳ 4200

۳۔ میاں نعیم انور چشتی نظامی، آئنہ معرفت، لاہور، زاویہ فاؤنڈیشن، ۲۰۱۱ء ص ۳۳-۳۹

۴۔ ڈاکٹر، کشمیری لال، حضرت بابا فرید گنج شکر: شخصیت اور فن، ہریانہ، ہریانہ اردو اکادمی، ۲۰۱۰ء ص ۴۷